خالد ہمایوں

تقریر میں مقامی زبان کی اہمیت

تقریر میں ابلاغ کا حسن پیدا کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہم اپنے سامعین کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھیں، ان کی زبان کے روزمرہ محاوروں اور ضرب الامثال کو موقع محل کے مطابق استعمال میں لائیں۔ یعنی موضوع اور مضمون کے مطابق ایسی تشبیہات، استعارات وغیرہ لائیں جس سے سامعین کے جمالیاتی احساس کی بھی تسکین ہو۔ وہ نہ صرف آپ کے نقطۂ نظر کے حامی بن جائیں بلکہ آپ کے اندازِ بیان سے بھی حظ اٹھائیں۔

ایک دفعہ گجرات شہر میں آغا شورش کاشمیری خطاب کر رہے تھے۔ ان کے ایک ایک جملے پر حاضرین داد دے رہے تھے۔ بار بار '' آغا شورش کاشمیری زندہ باد'' کا نعرہ گونجتا۔ آغا صاحب کہنے لگے: ''بھائی! آپ کے زندہ باد کے نعروں کا کیا اعتبار، میں حسین شہید سہروردی کے ساتھ آیا تھا تو آپ لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا، ہم آپ کے ساتھ ہیں، تو میں نے کہا تھا، یار تمھارے تو کبھی گھڑوں نے وفا نہیں کی تم کیا کرو گے۔''

اہل گجرات نے اس جملے سے خوب لطف اٹھایا کیونکہ اس میں مقامی لوک داستان ''سوہنی مہینوال'' کی طرف اشارہ تھا۔ (سوہنی جذبۂ عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر کچے گھڑے ہی پر دریا پار کرنے پر تیار ہوگئی تھی)۔ پھر چند منٹ آغا صاحب نے اسی لوک قصے کی مدد سے ایک اور نکتہ پیدا کیا۔ کہنے لگے: ''دراصل ہمارے حریفانِ فرومایہ تہی دستانِ غیرت ہو گئے ہیں۔ غیرت اگر جاگ اٹھے تو کچے گھڑے میں جاگ اٹھتی ہے کہ میں کسی کی بیٹی کو پار نہیں جانے دوں گا یہیں ڈبو دوں گا، نہ جاگے تو انسان میں نہیں جاگتی صبا کی طرح جھومتی چلی جاتی ہے۔''

رئیس الاحرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو برصغیر پاک و ہند کا سب سے بڑا خطیب مانا جاتا ہے۔ کئی کئی گھنٹے مسلسل بولتے اور تمام وقت مجمع گوش برآواز رہتا۔ جب چاہتے آہ کا سماں پیدا کر دیتے، لوگوں کی آنکھوں میں برسات کی جل تھل ہو جاتی اور جب چاہتے ہر طرف واہ واہ کی صدائیں گونجنے لگتیں۔

ایک دفعہ ایک دیہاتی علاقے میں تقریر کر رہے تھے۔ موضوع واقعۂ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ فرمانے لگے، معراج کی رات اللہ کے محبوب ﷺ جب اللہ سے ملنے چلے تو کائنات رک گئی۔ شاہ جی نے مجمعے سے پوچھا، سمجھ آئی میں نے کیا کہا ہے؟ مجمعے نے نفی میں سر ہلا دیے۔ شاہ جی نے پھر اپنا جملہ دہرایا کہ معراج کی رات جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خالق و مالک سے ملاقات کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو وقت کی رفتار ٹھہر گئی، رک گئی، تھم گئی۔ کئی مترادفات بولے لیکن مجمعے کا پھر بھی نفی ہی میں جواب تھا۔ بات ذرا فلسفیانہ تھی، سادہ لوح دیہاتیوں کے ذہنوں میں کیسے اترتی!

شاہ جی نے بیان کا پینترہ بدلا۔ فرمایا اچھا، اس طرح نہیں سمجھ سکتے تو یوں سمجھ لو:

تیرے لونگ دا پیا لشکارا
تے ہالیاں نے ہل ڈک لے

یعنی محبوب کے حُسن کو اس کی ناک کے لونگ نے یوں دوبالا کر دیا کہ کھیتوں میں ہل چلانے والے ''ہالی'' اتنے محو ہوئے کہ جہاں کھڑے تھے، وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

دراصل شاہ جی نے ایک فلسفیانہ حقیقت سمجھانے کے لیے پنجابی ''بولی'' کا سہارا لیا تھا۔ بولی لوک شاعری کی ایک صنف ہے، اس میں ایک مصرع ہی ہوتا ہے جسے دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اسے پڑھیں تو اس میں غضب کی روانی بھی محسوس ہوتی ہے اور بلاغت کے تو کیا کہنے۔

ایک دفعہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس قرآنی آیت کی تشریح کر رہے تھے جس میں کہا گیا ہے کہ ہم انسان کی شہ رگ کے قریب ہوتے ہیں لیکن وہ غیروں کے دروازوں پر دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ شاہ جیؒ نے ایک پنجابی ٹپا پیش کیا تو سامعین جھوم اٹھے، فرمایا:

ماہیا وے ماہیا!! دیوے وچ تیل نہیوں
کول پیا وسنا ایں تے ملنے دی ویہل نہیوں۔

ترجمہ: دیے میں تیل نہیں ہے، میرا محبوب رہتا تو میرے ہمسائے میں ہے لیکن مجھے ہی ملنے کی فرصت نہیں ملتی۔

خیال رہے کہ ٹپے کا پہلا مصرع برائے بیت ہوتا ہے۔ معنوی طور پر دوسرے مصرع سے مطابقت نہیں رکھتا لیکن قافیے کی مطابقت ضرور ہوتی ہے جیسے اوپر ذکر کیے گئے ٹپے میں ''تیل'' اور ''ویہل'' کا قافیہ ہے۔

گوجرانوالہ شہر کے ایک خطیب مولانا عبدالرحمٰن جامی تھے۔ زندگی کے آخری دو چار برس بادشاہی مسجد لاہور کے بھی خطیب رہے، وہاں تو اردو میں تقریر کرتے تھے لیکن ان کے طرز بیان کو پنجابی ہی چار چاند لگاتی تھی۔ ایک دفعہ اس حدیث کی تشریح کر رہے تھے جس میں نصیحت کی گئی ہے کہ ''جو لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں انھیں بھلائی سے یاد کیا کرو۔'' سید وارث شاہ کا شعر پڑھا:

وارث شاہ ایہہ رب دیاں رب جانے
وارث رد ہو یا کہ قبول ہویا

ترجمہ: وارث شاہ! یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان اس کی بارگاہ میں قبولیت پاتا ہے یا رد کر دیا جاتا ہے۔

پھر یہ مصرع بار بار یوں پڑھا کہ سامعین عش عش کر اٹھے۔ فرمانے لگے: ''میاں! دنیا سے جانے والا جس کی جھولی میں سر رکھ کر جان دے رہا ہوتا ہے، اسے بھی خبر نہیں ہوتی کہ جانے والا جنت کے محل دیکھ رہا ہے یا جہنم کے شعلے دیکھ رہا ہے۔ تو پھر ہم آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وارث رَد ہویا کہ قبول ہویا۔ یہ تو رب ہی جانتا ہے۔

بعض اوقات مولانا جامی ہندی اشعار سے بھی بیان کے حسن کو پر لطف بنا دیتے۔ مثلاً حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان کر رہے تھے۔ پورے مکہ میں گھومنے کے بعد حلیمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے پاس آئیں اور بتایا کہ بچے تو سب دائیاں لے گئیں، البتہ ایک یتیم بچہ ہے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر نے جواب دیا: **عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَ لَنَا فِیْہِ بَرَکَۃً.** قریب ہے کہ اللہ اسی میں ہمارے لیے برکت دے دے۔

چنانچہ وہ بچہ گود میں لیا تو برکات کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ حلیمہ نہال ہو گئیں۔ یہ صرف اس لیے ہوا کیونکہ انھوں نے اللہ پر توکل اختیار کیا تھا۔ اس موقع پر مولانا جامی صاحب نے تلسی داس کا شعر پڑھا جو موقع محل کے اعتبار سے بڑا ہی موزوں تھا، سامعین نے خوب داد دی۔ شعر یہ تھا:

تلسی بروا باغ میں سینچت بھی کملائے
رام بھروسے جو رہے پربت پر لہرائے

پودے تو کوٹھیوں اور باغوں میں بھی اُگتے ہیں، مالی انھیں سردی گرمی سے بچاتے ہیں، وقت پر ان کی گوڈی بھی کرتے ہیں لیکن وہ سوکھ سڑ جاتے ہیں، البتہ وہ پودے ہمیشہ سرسبز شاداب رہتے ہیں جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر اُگتے ہیں، حالانکہ ان کی وہاں پر کوئی مالی بھی رکھوالی کرنے والا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا آسرا مالی پر نہیں، مولا پر ہوتا ہے۔

(بہ شکریہ: ہفت روزہ ایشیا، لاہور۔ ۲۳ تا ۲۹ر اکتوبر ۲۰۱۴ء، جلد: ۶۳، شمارہ: ۴۳)